اب میں تر وتازہ تھا۔ پوری بلڈنگ خالی تھی۔ سب لوگ گھومنے پھرنے کے لئے نکل چکے تھے۔ سوچا کہ سیر کی جائے۔ اکیلے ہی سہی۔ ویسے بھی اکثر اوقات میں اپنی ہی رفاقت پسند کرتا ہوں۔

میں اسی بازار میں چلا گیا جہاں دوپہر کو پریشان پھرتا رہا تھا۔ اب تو لگا کہ کسی اور دنیا میں آ گیا ہوں۔ صاف ستھرا بازار۔ ہر قسم کی اشیا کی دوکانیں نظر آ رہی تھیں جو جدید طرز پر بنی ہوئی تھیں۔ کہیں غربت کا کوئی نام ونشان نہیں تھا۔ ہر چہرہ صحت منداور زندگی سے مطمئن تھا۔ خوبصورتی کا معیار بھی بہت بلند تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس سے خوبصورت لوگ میں نے کہیں نہیں دیکھے تو بے جا نہ ہوگا۔ نہ جانے شاہان اردن کو باہر سے بیویاں لانے کی عادت کیوں ہے۔

اس بات سے قطع نظر وہ قابل داد ہیں۔ ملک میں انصاف اور خوش حالی کا دور دورہ ہے۔ اسی لئے لوگ ان سے محبت کرتے ہیں اور آج تک اردن میں کوئی سیاسی زلزلہ نہیں آیا۔ یہ ملک مخلص ڈکیٹیٹرشپ کی بہترین مثال ہے۔

اگر اردن کا موازنہ مصر سے کیا جائے تو اردن ہر لحاظ سے بہت بہتر ہے۔ مصر کا ذکر اس لئے کیا کہ مصر اور پاکستان میں بہت مماثلت ہے۔ امیر غریب کا فرق، زیادہ آبادی، قاہرہ کا حال بھی کراچی جیسا ہی ہے۔ کچھ حصے بہت شاندار، کچھ ایسے کہ انسانیت آنسو بہائے۔

جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں اردن کی اس خوش حالی کا سہرا موجودہ بادشاہ عبداللہ کے والد شاہ حسین مرحوم کے سر ہے۔ شاہ عبداللہ نے ترقی کی رفتار میں کمی نہیں آنے دی۔ ۲۰۱۰ عیسوی کے بعد سے جمہوریت کی چاپ بھی سنائی دے رہی ہے مگر بات نچلی سطح کے انتخابات سے آگے نہیں بڑھ سکی۔

اگلی صبح کانفرنس کا آغاز تھا۔ میرا لیکچر بھی اسی دن تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے بس آ گئی۔ راستے میں یونیورسٹی کی وسعت کا اندازہ ہوا۔ جدید ڈیزائن کی بہت شاندار عمارات تھیں۔ یونیورسٹی کی مالی آسودگی کا اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ فٹ بال گراؤنڈ میں فلڈ لائٹس لگی ہوئی تھیں۔

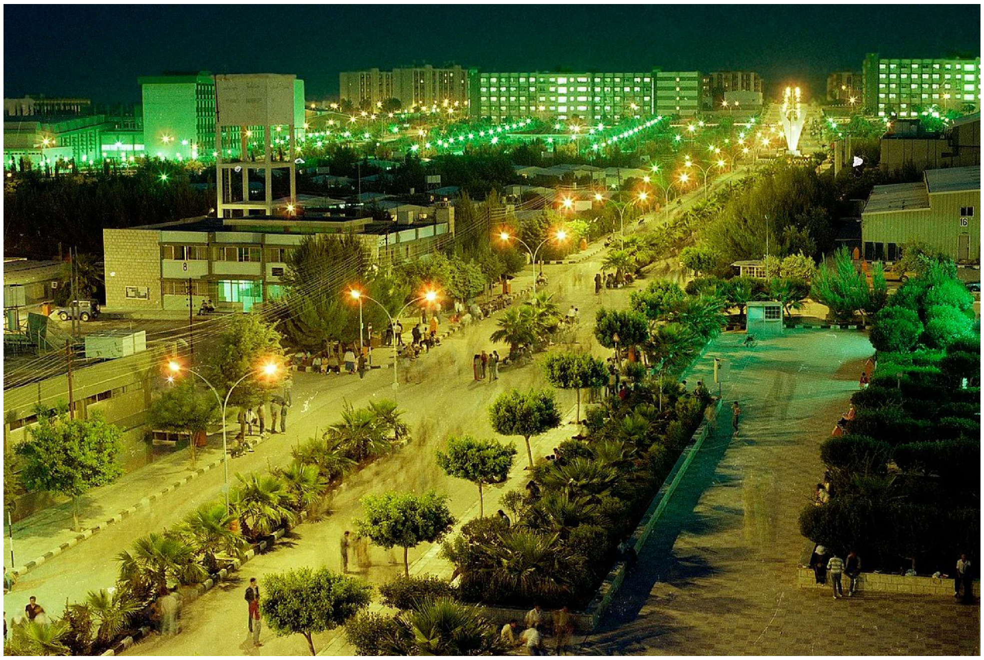

طالب علموں میں لڑکیاں کی اکثریت تھی۔ زیادہ تر نے لمبا چوغہ اور سکارف پہنا ہوا تھا۔ مگر چوغے کے نیچے پینٹ شرٹ تھی۔ کچھ لڑکیاں چوغوں سے بے نیاز تھیں مگر بے حیائی کہیں نظر نہیں آئی۔

کانفرنس ہال کے استقبالیہ میں پہنچے تو سامنے ہی جنگ یرموک کی بہت بڑی پینٹنگ لگی ہوئی تھی۔ میدان جنگ اس جگہ سے ایک دو کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا۔ یہ یونیورسٹی ۱۹۷۶ عیسوی میں قائم ہوئی اور جگہ کی مناسبت سے اس کا نام رکھا گیا۔

سب لوگ جانتے ہیں کہ جنگ یرموک اسلامی تاریخ کی اہم ترین جنگوں میں شمار ہوتی ہے۔ اسلامی تاریخ حضرت خالدؓ بن ولید کی شجاعت کی داستانوں سے بھری پڑی ہے مگر شاید سرفہرست جنگ یرموک ہی ہے۔

یہ جنگ اسلامی افواج اور سلطنت روم کی افواج کے درمیاں ۶۳۶ عیسوی میں لڑی گئی اور

چھ دن جاری رہی۔ دشمن کی فوج ہر لحاظ سے بہت برتر تھی۔ مگر حضرت خالدؓ بن ولید نے ایسی حکمت عملی اپنائی کہ دشمن کی تمام تدبیریں خاک میں مل گئیں۔ انہوں نے دفاع کی بجائے جارحیت کو ترجیح دی اور کہیں بھی دشمن کے پاوں جمنے نہیں دیے۔

اگر شجاعت کی بات کریں تو ایک پورا دن انہوں نے صرف ۶۰ مجاہدین کے ساتھ ساٹھ ہزار کی فوج سے جنگ کی اور انہیں پسپا ہونے پر مجبور کیا۔ ساٹھ مجاہدین نے ایک حلقہ بنایا اور جو دشمن سامنے آتا گیا اسے جہنم واصل کرتے گئے۔ یہ سب نا قابل یقین معلوم ہوتا ہے مگر تاریخ اس کی گواہ ہے اور مغربی مورخین نے بھی دل کھول کر داد دی ہے۔

اس جنگ میں رومی فوجوں کو فیصلہ کن شکست ہوئی اور اس کے بعد اسلامی فتوحات کی راہ ہموار ہوتی چلی گئی۔

اس کانفرنس میں تیس ممالک کے مندوبین شریک تھے۔ انتظامات شاندار تھے اور عمومی طور

پر وقت کی پابندی کی گئی۔ میرا لیکچر دوپہر کے کھانے کے بعد تھا۔

کھانے کا بندوبست یونیورسٹی کینٹین میں تھا۔ کھانا انتہائی پرتکلف اور ذائقہ دار مگر مرچ سے مبرا تھا۔ زیادہ تر چیزیں روسٹ تھیں۔ دنبے اور مرغ کا تو پتہ چل رہا تھا۔ باقی کے بارے میں جاننے کا تردد نہ کیا کہ یہ اطمینان تھا کہ سب حلال ہیں۔

سویٹ ڈش کے طور پر عربی حلوہ تھا جسے کنافے (kanafe) کہتے ہیں۔ میں نے آج تک اس سے زیادہ میٹھی اور ثقیل چیز نہیں کھائی۔ یہ حلوہ مکھن اور پنیر میں تیار کیا جاتا ہے۔ میں نے دو چار لقمے ہی لئے۔ اس سے بھی طبیعت بوجھل ہوگئی۔ مجھے آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دو تہائی پلیٹ چھوڑنی پڑی۔

لیکچر اور سیشن کی صدارت کے مراحل بخوبی طے ہوگئے۔ شام کو ڈنر کے لئے ایک ہوٹل میں گئے۔ کافی ہلہ گلہ رہا۔ یہاں بھی کھانا لنچ سے ملتا جلتا تھا۔ بھنی بھیڑ کا انداز سجی جیسا تھا۔ لوگ جاتے تھے اور چھری سے اپنی مرضی کے مطابق قتلہ اتار لیتے تھے۔ آخر میں پھر وہی وبال جان حلوہ پیش کیا گیا۔

صبح چائے کے وقفے کے دوران عجب واقعہ ہوا۔ایک اردنی لڑکی جو کہ مصر میں پچھلی کانفرنس کے دوران ملی تھی، اچانک نمودار ہوئی اور ڈاکٹر عاشق کا پوچھنے لگی۔اس واقعہ کا اور ڈاکٹر صاحب کا تفصیلی ذکر میں مصر کے سفرنامے میں کر چکا ہوں۔اس بات کی سمجھ نہیں آئی کی اس نے ای میل کے ذریعے ان کا پروگرام کیوں نہ پوچھ لیا۔

یہ بات میں نے لنچ میں بھی نوٹ کی تھی کہ اعلیٰ عہدہ داروں میں بناوٹ بالکل نہیں۔ڈنر میں یونیورسٹی کے ریکٹر بھی شامل تھے۔وہ ہر کسی کے ساتھ بے ساختگی سے دوستانہ انداز میں ملتے رہے چاہے مقامی ہو یا غیر ملکی۔

تمام لوگ پاکستانیوں کے ساتھ انتہائی شفیق تھے۔اس کی کئی وجوہات ہیں۔ایک تو اسلام کا رشتہ مگر زیادہ اہم یہ بات کہ پاکستان نے ہمیشہ اردن کے دفاع میں بھرپور معاونت کی اور ۱۹۶۷ عیسوی کی جنگ میں عملی حصہ لیا۔اس کے علاوہ اردن کی افواج کی تربیت بھی پاکستان نے کی۔

ایک اور وجہ پاکستانیوں کی شاہی خاندان سے رشتہ داری بھی ہے۔شاہ حسین مرحوم کے سوتیلے بھائی شہزادہ حسن کی اہلیہ شہزادی ثروت اکرام اللہ کا تعلق پاکستان سے ہے۔اگر روایت برقرار رہتی تو شاہ حسین کے انتقال کے بعد شاہ حسن اردن کے بادشاہ ہوتے۔مگر شاہ حسین نے وفات سے کچھ عرصہ پہلے شہزادہ حسن کی بجائے اپنے بیٹے شہزاد عبداللہ کو جانشین بنا دیا۔